حاضر کے سوا بتیس روپے کی قدر میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ گویا اس وقت سوا بتیس روپے میں ۱۲۹ تولے سونا آتا تھا۔ جس کی مالیت آج لاکھوں روپے ہے جبکہ آج کے سوا بتیس میں شاید ایک وقت کا کھانا بھی نہ مل سکے۔

مہر کی ادائیگی کے بارے میں عوام الناس میں ایک اور طریقہ رائج ہے کہ لڑکی سے مجلس عقد میں لڑکی کے اولیاء مہر کو ہاتھ لگواتے ہیں اور اس کی رضامندی معلوم کیے بغیر اسے مسجد میں بھجوادیا جاتا ہے اور یہ سمجھا جاتا ہے کہ مہر ادا ہو گیا۔ ادائیگی کا یہ طریق اسلام کے سراسر منافی ہے۔ اسلام میں مہر عورت کا حق ہے جسے وہ اپنی مرضی سے چاہے تو طیب نفس سے معاف کردے۔ اس پر بیرونی طور پر معافی کے لیے کوئی جبر نہیں کیا جاسکتا۔

قرآن مجید فرقان حمید میں مہر کی معافی کے لیے جو الفاظ وارد ہوئے ہیں وہ یہ ہیں۔ **فان طبن لکم عن شی منه نفسا۔** ۹۸

یعنی وہ اگر عورتیں خوش دلی کے ساتھ اپنے مہر کا کوئی حصہ تمہیں دے دیں۔

مفتی محمد شفیع لکھتے ہیں۔

مطلب یہ کہ جبر و اکراہ اور دباؤ کے ذریعے معافی حاصل کرنا تو کوئی چیز نہیں، اس سے کچھ معاف نہیں ہوتا، لیکن اگر وہ بالکل اپنے اختیار اور رضامندی سے کوئی حصہ مہر کا معاف کردیں یا لینے کے بعد تمہیں واپس کردیں وہ تمہارے لیے جائز ہے۔ دور حاضر میں چونکہ خواتین یہ سمجھتی ہیں کہ مہر ملنے والا نہیں گر سوال کروں یا معاف نہ کروں تو بددلی یا بدمزگی پیدا ہوگی۔ اس لیے با دل ناخواستہ معاف کردیتی ہیں۔ اس معافی کا کوئی اعتبار نہیں۔ فرمان نبوی ﷺ کے مطابق کسی کا مال اس کی مرضی کے بغیر لینا حلال نہیں اور مہر عورت کا مال ہے کہ سورۃ النساء آیت نمبر چار میں مہر کی ضمیر عورتوں کی طرف کی گئی ہے فرمایا صدقاتھن (ان عورتوں کے مہر) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

الا لا تظلمو ا الا لا یحل مال امرء الا بطیب النفس منه. ۹۹

خبردار ظلم نہ کرو اور اچھی طرح سے سمجھ لو کہ کسی شخص کا مال (دوسرے شخص کے لیے) حلال نہیں ہے جب تک کہ اس کے نفس کی خوشی سے حاصل نہ ہو۔

طیب کے لغوی معنی یہ ہیں کوئی چیز دل کی خوشی سے دی جائے اس میں نہ کراہت پائی جائے اور نہ ہی جبر ہو۔

امام کاسانی لکھتے ہیں۔ کسی کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ دوسرے کی چیز اسکی اجازت کے بغیر ہبہ کردے۔ یہی وجہ ہے کہ ولی عورت کے اموال میں کسی کو کچھ بھی ہبہ نہیں کرسکتا سو مہر میں بھی ایسا ہی ہوگا۔۱۰۲

اللہ تعالیٰ نے مہر کو عورت کے لیے نحلہ یعنی عطیہ قرار دیا ہے۔ جیسا کہ سورۃ نساء کی آیت نمبر چار میں مذکور ہے ابن العربی اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

یہاں اس سے تین معانی مراد لیے جاتے ہیں۔

۱۔ کہ جس طرح تمام تحائف اور ہدیے دل کی خوشی کے ساتھ دیے جاتے ہیں اس طرح مہر بھی طیب نفس کے ساتھ دیا جائے۔

۲۔ مہر اللہ کی طرف سے عورتوں کو تحفہ ملا ہے جاہلیت میں مہر اولیاء وصول کرتے تھے اب اللہ تعالیٰ نے ان سے چھین کر عورتوں کو عطا کردیا۔

۳۔ عہد جاہلیت میں لوگ ادلے بدلے کی شادی بغیر مہر کیا کرتے تھے۔ پس اللہ تعالیٰ نے فرض کردیا کہ عورتوں کو یہ عطیہ دیا جائے۔۱۰۳

اگر عورت کی مرضی کے بغیر مہر کو کہیں خرچ کیا جائے تو یہ نحلہ نہیں رہے گا۔

خلاصہ بحث

یہ کہ اسلام کا مطلوب مہر نہ تو لڑکے کی حیثیت سے اتنا زیادہ ہے کہ اسے ادا کرنے کے لیے اپنا آپ گروی رکھوانا پڑ جائے اور نہ ہی اتنا قلیل ہے کہ جس کو لیتے ہوئے خاتون خفت محسوس کرے۔ اکثر ازواج مطہراتؓ اور حضرت فاطمہؓ کا مہر ۵۰۰ درہم تھا۔ جو عصری اعشاری نظام کے مطابق ۱۵۶۰ گرام چاندی کے برابر ہے موجودہ قیمت کے مطابق یہ پندرہ ہزار روپے سے زائد مالیت کی ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ شادی بیاہ میں غیر شرعی رسموں پر جو مال صرف کیا جاتا ہے ایک اندازے کے مطابق کم سے کم حیثیت والے خاندان بھی شادی بیاہ پر کم از کم چالیس پچاس ہزار روپیہ

خرچ کر دیتے ہیں ان اخراجات کو کم کر کے دومیانے درجے کا مہر ضرور دیا جائے اور خواتین کے لیے سودفری منافع اکاؤنٹ دستیاب ہوں۔ جس میں وہ اپنا روپیہ لگا کر معاشی مضبوطی حاصل کر سکیں۔ اس طرح نہ صرف ایک رقم بے جا لباس اور رسموں پر ضائع ہونے سے بچ جائے گی بلکہ کاروباری سرگرمی بڑھے گی اور سرمایہ کے ذریعے ملکی آمدن میں اضافہ ہوگا۔

۲۔ ہمارے ہاں مہر کے تعین کا معاملہ بھی افراط وتفریط کا شکار ہے۔ بعض والدین لڑکے کی حیثیت سے بڑھ کر محض نمود ونمائش کے لیے کثیر مہر پر بے جا ضد کرتے ہیں۔ بعض اوقات آغاز کے یہی جھگڑے پوری ازدواجی زندگی کو اپنی لپیٹ میں لے لیتے ہیں اور ازدواجی سکون کی بجائے شادی شدہ جوڑے کڑوی اور کسیلی زندگی گزارتے ہیں۔ دوسری طرف تفریط یہ ہے کہ اکثر لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ شاید مہر عورت کی قیمت ہے۔ لہٰذا وہ مہر لینا باعث توہین خیال کرتے ہیں اور عقد مجلس میں سوا بتیس روپے کو شرعی مہر خیال کرتے ہوئے لڑکی کی رضامندی کے بغیر محض اس کا ہاتھ لگوا کر خیرات کر دیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ مہر ادا ہو گیا۔ نہ تو یہ مہر شرعی ہے اور نہ ادائیگی مہر کا یہ طریقہ شرعی ہے۔ علماء کرام کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے خطاب و دروس سے لوگوں میں شعور پیدا کریں کہ مہر عورت کا حق ہے اور اسے صحیح معنوں میں ملنا چاہیے الا یہ کہ وہ طیب نفس سے معاف کر دے۔ وہ خواتین جو درس قرآن وحدیث کی ذمہ داری ادا کرتی ہیں انہیں چاہیے کہ وہ خواتین میں مہر کا صحیح شعور پیدا کریں۔

۳۔ ۱۹۶۱ء کے فیملی لاز میں مہر کے بارے میں یہ قانون ہے کہ اگر عقد نکاح میں مہر کا ذکر نہ کیا گیا ہو تو وہ مہرِ عندالطلب ہوگا۔ کیا ہمارا معاشرہ اتنا باشعور ہو چکا ہے کہ اگر خاتون مہر کا مطالبہ کرے تو ان کی ازدواجی زندگی نفرتوں اور کدورتوں سے محفوظ رہ سکے گی۔ بلکہ ہو سکتا ہے کہ مرد اسی بات کو دل میں گرہ بنا لے کہ اس کو تو صرف مال کی ضرورت تھی حکومت کو چاہیے کہ ایسے مہر کو مہرِ موجل قرار دے جس کی مہلت کا تعین موجود ہو۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حوالہ جات

۱۔ اصلاحی، صدر الدین، اسلام میں نکاح کے قوانین، اسلامک پبلکیشنز لاہور، :ص ۸۴

۲۔ لوئس معلوف، المنجد، المکتبۃ الشرقیہ بیروت، بذیل مادہ مہر ص، ۷۷۷

۳۔ ابی الحسین احمد بن فارس، معجم مقاییس اللغۃ، دار الاحیاء التراث العربیہ، بیروت، بذیل مادہ صداق، ص: ۵۶۵

۴۔ الجزیری، عبدالرحمٰن، کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ترجمہ منظور احسن عباسی محکمہ اوقاف پنجاب لاہور، ج: ۴ص: ۱۷۵

۵۔ ابن الاثیر محمد الجزری، النہایہ فی غریب الحدیث والاثر، داراحیاء الکتب العربیہ، ج: ۳ص: ۱۸

۶۔ الطبری، محمد بن جریر، جامع البیان فی تفسیر القرآن، مطبعہ مصطفیٰ البابی الحلبی مصر، المجلد الثالث ص: ۲۱۴

۷۔ ابن قدامہ، ابومحمد عبداللہ بن احمد، المغنی، مکتبہ الریاض الحدیث الریاض، الجزء السادس ص ۲۷۹

۸۔ محمد محی الدین عبدالحمید، الاحوال الشخصیہ فی الشرعیۃ الاسلامیۃ، المکتبۃ التجاریۃ الکبریٰ مصر، ص: ۱۶۳

۹۔ النساء: ۴، واتو النساء صدقا تھن نحلۃ.

۱۰۔ النساء: ۲۴، فاتوھن اجورھن فریضۃ.

۱۱۔ النساء: ۴،

۱۲۔ النساء: ۲۵، وآتو ھن اجورھن.

۱۳۔ النساء: ۲۵، ومن لم یستطع منکم طولا.

۱۴۔ النور: ۳۳، ویستعفف الذین لا یجدون نکاحاً.

۱۵۔ فان اما بھافلھا مھر لھا۔ ابن ماجہ، ابوعبداللہ، محمد بن یزید، سنن ابن ماجہ، مترجم وحید الزمان اہل حدیث اکادمی، لاہور، ج:۲، ص:۳۷

۱۶۔ ادوا العلائق، الدارقطنی علی بن عمر، سنن دارقطنی، مدینہ منورہ، ج:۳، ص:۲۴۴

۱۷۔ عقر نسا ئھا، الجصاص، ابو احمد بن علی الرازی، احکام القرآن، دارالکتب العلمیہ بیروت، ج:۲

۱۸۔ لا تغالوا فی الصدقات، ابن الاثیر، محمد الجزری، النھایۃ فی غریب الحدیث والاثر دار احیا الکتب العربیہ، ج:۳، ص:۱۸

۱۹۔ الروم؛۲۱

۲۰۔ النساء:۴

۲۱۔ الجصاص، ابو بکر احمد بن الرازی، احکام القرآن، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ج:۲، ص:۱۸۶

۲۲۔ ملا علی قاری، مرقاۃ شرح مشکوۃ بحوالہ معارف القرآن، دارلعلوم کراچی، ج:۲، ص:۲۹۹

۲۳۔ الالوسی، شہاب الدین، السید محمود، روح المعانی، داراحیاء التراث العربی بیروت، الجزء الثالث، ص:۱۹۸

۲۴۔ ابن العربی، ابوبکر محمد عبداللہ، احکام القرآن، ص:۳۱۶

۲۵۔ النساء:۲۴

۲۶۔ بیضاوی، ناصر الدین ابی الخیر عبداللہ عمر، انوار التنزیل واسرار التاویل، مطبعہ مصطفیٰ البابی الحلبی مصر، ج:۱، ص:۱۸۲

۲۷۔ عبدالماجد، دریابادی، تفسیر ماجدی، مجلس نشریات قرآن کراچی، ج۱، ص:۱۷۷

۲۸۔ محمد ظفیر الدین، مولانا، اسلام کا ازدواجی نظام، طیب پبلیشرز لاہور ۲۰۰۳ء ص:۸۶

۲۹۔ النساء:۲۴

۳۰۔ البقرۃ:۲۳۷

۳۱۔ الاحزاب:۵۰
۳۲۔ مرغینانی، برہان الدین، ھدایہ، مطبع مصطفیٰ البابی الحلبی، مصر، ج:۱،ص:۱۴۸
۳۳۔ البقرۃ:۲۲۸
۳۴۔ الرازی، فخر الدین، التفسیر الکبیر، دار الکتب العلمیہ بیروت، الجزء الخامس، ص:۱۰۲
۳۵۔ النساء:۳۴، الممتحنہ:۱۰
۳۶۔ الزمخشری، جار اللہ محمود بن عمر، تفسیر الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل، دار الکتب العربی، بیروت، ج:۱،ص:۵۰۵
۳۷۔ الرازی، فخر الدین محمد بن عمر، التفسیر الکبیر، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ج:۵،ص:۷۱
۳۸۔ القرطبی، ابوعبداللہ محمد بن احمد، الجامع الاحکام القرآن، دار الکاتب العربیہ للطباعۃ والنشر القاہرہ، ج:۵،ص:۱۶۹
۳۹۔ الاحزاب:۵۰
۴۰۔ کاسانی، علامہ ابو بکر علاؤ الدین، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع (اردو ترجمہ) مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، لاہور، ج:۲،ص:۲۴۷
۴۱۔ ابن ماجہ، ابوعبداللہ محمد بن یزید، سنن ابن ماجہ، دار الحدیث، قاہرہ، کتاب النکاح
۴۲۔ ابن ماجہ، ابوعبداللہ، محمد بن یزید، سنن ابن ماجہ، کتاب النکاح
۴۳۔ مسلم بن حجاج بن مسلم بن ورد، الجامع الصحیح، کتاب النکاح، باب صداق النبی لازواجہ۔
۴۴۔ ابو داؤد، سلیمان بن الاشعث، سنن ابی داؤد، لمکتبہ العصریہ بیروت، الجزء الثانی کتاب النکاح، باب الصداق، ص:۲۳۵
۴۵۔ وہبہ الزحیلی، الفقہ الاسلامیہ وادلتہ، دار الفکر دمشق، الجزء التاسع، ص:۶۸۶۰
۴۶۔ اکمل الدین، محمد بن محمود، شرح العنایہ بھامش فتح القدیر مطبعۃ مصطفیٰ محمد مصر، ج:۲،ص:۴۳۴
۴۷۔ اکمل، الدین محمد بن محمود، شرح العنایہ بھامش فتح القدیر، ج ۲، ص ۴۳۵

۴۸۔ ابن قدامہ،ابو محمد عبداللہ بن احمد،المغنی،مکتبہ الریاض الحدیثہ الریاض،الجز السادس،ص،۶۸۱

۴۹۔ النساء:۲۴

۵۰۔ العینی،ابومحمد محمود بن احمد،العنایہ فی شرح الھدایہ،المکلتبۃ التجارتہ مکۃ المکرمۃ دارالفکر ۱۴۱۱ھ،ج:۴،ص:۶۴۸

۵۱۔ مرغینانی،برہان الدین،ہدایہ،مطبع مصطفیٰ البابی الحلبی مصر،ج:۱،ص:۱۴۸

۵۲۔ جصاص،ابو بکر احمد بن علی الرازی،احکام القرآن،دارالکتب العلمیہ،بیروت،المجلد الثانی،ص:۱۴۸

۵۳۔ ابن العربی،احکام القرآن،ج:۱،ص:۱۳۲

۵۴۔ کاسانی،علامہ ابوبکر علاؤالدین،بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع،ترجمہ مولانا ظفراللہ شفیق،مرکز تحقیق دیال سنگھ لائبریری لاہور،ج:۲،ص:۴۲۸

۵۵۔ ابن رشد،محمد بن احمد بن محمد بن احمد،بدایۃ المجتہد ونہایۃ المقتصد،مطبعہ مصطفیٰ البابی الحلبی،الجزء الثانی،ص:۱۶

۵۶۔ اصلاحی،صدرالدین،اسلام میں نکاح کے قوانین،اسلامک پبلیکیشنز لاہور،ص:۹۳

۵۷۔ مولانا عبدالماجد دریا آبادی،تفسیر ماجدی،ج:۱،ص:۶۹۳

۵۸۔ النساء:۲۰

۵۹۔ النساء:۲۴

۶۰۔ ابوداؤد سلیمان بن الاشعث،سنن ابی داؤد کتاب النکاح،ج:۲،ص:۱۳۷

۶۱۔ ابن قدامہ،المغنی،الجزء السادس،ص:۶۸۱

۶۲۔ الترمذی،ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ،الجامع الصحیح،کتاب النکاح

۶۳۔ احمد بن حنبل،مسند احمد،مرویاتِ عائشہ

۶۴۔ القوانین الفقہیہ،ص:۲۰۲ بحوالہ الفقہ الاسلامیہ وادلتہ ڈاکٹر وہبہ الزحیلی ۶۷۶۲

۶۵۔ ابن رشد، محمد بن احمد بن محمد بن احمد، بدایۃ المجتھد ونہایۃ المقتصد، الجز الثانی ص:۱۸

۶۶۔ ابن قدامہ، المغنی، الجزء السادس، ص:۶۸۰

۶۷۔ وہبہ الزحیلی، الفقہ الاسلامیہ وادلتہ، دارالفکر دمشق، الجزء التاسع، ص:۶۷۶۵

۶۸۔ ابوداؤد، سلیمان بن الاشعث، سنن ابی داؤد، کتاب النکاح، باب المھر

۶۹۔ الترمذی، ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ، الجامع الصحیح، کتاب النکاح

۷۰۔ ابوداؤد، سلیمان بن الاشعث، سنن ابی داؤد، کتاب النکاح، باب الصداق، الجزء الثانی ص:۲۳۷

۷۱۔ جصاص، ابوبکر احمد بن علی الرازی، تفسیر الکبیر، المجلد الثانی ص:۱۷۸

۷۲۔ ابن قدامہ، المغنی، ج:۶، ص:۶۸۰

۷۳۔ ابن رشد، بدایۃ المجتھد، ج:۲، ص:۱۸

۷۴۔ رواہ ابن ابی حاتم، وقال الحافظ ابن حجر، انہ بہذا الاسناد حسن، بحوالہ وہبہ الزحیلی الفقہ الاسلامیہ وادلتہ، ج:۹، ص:۶۸۶۴

۷۵۔ ابن رشد، بدایۃ المجتھد، ج:۲، ص:۱۸

۷۶۔ کاسانی، ابو بکر علاؤ الدین، بدائع الصنائع، ج:۲، ص:۲۷۳، ابن قدامہ، المغنی، ج:۶، ص:۷۱۲

۷۷۔ الدکتور وہبہ الزحیلی، الفقہ الاسلامیہ وادلتہ، الجز التاسع ص:۶۷۷۳

۷۸۔ جصاص، ابوبکر احمد بن علی، احکام القرآن، ج:۲، ص:۱۹۶

۷۹۔ البقرہ ۲:۲۳۷

۸۰۔ البقرہ ۲:۲۳۶

۸۱۔ الجزیری، عبدالرحمن، کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ، ترجمہ منظور احسن عباسی، علماء اکیڈمی، شعبہ مطبوعات، محکمہ اوقاف پنجاب لاہور، ۱۹۸۱ء ج:۴، ص:۱۹۹

۸۲۔ جصاص، ابوبکر احمد بن علی الرازی، احکام القرآن، ج:۲، ص:۱۹۷

۸۳۔ ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن، مجموعہ قوانین اسلام، ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد، ج:۱،۲۸۲

۸۴۔ ابوداؤد سلیمان بن الاشعث، سنن ابی داؤد، کتاب النکاح، باب الصداق

۸۵۔ وہبہ الزحیلی، الفقہ الاسلامیہ وادلتہ، ج:۷، ص:۶۷۷۵

۸۶۔ ایضاً

۸۷۔ ابن الھمام، کمال الدین محمد، شرح فتح القدیر، مطبع مصطفیٰ محمد مصر، ج:۲، ص:۴۷۱

۸۸۔ ابن قدامہ، المغنی، الجزء السادس، ص:۶۹۳

۸۹۔ مرغینانی، برہان الدین، الھدایہ

۹۰۔ کاسانی، ابوبکر علاؤالدین، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، ج:۲، ص:۷۲۹

۹۱۔ ایضاً

۹۲۔ وہبہ الزحیلی، الفقہ الاسلامیہ وادلتہ، الجزء التاسع ص:۶۷۸۹

۹۳۔ مودودی، ابوالاعلیٰ، مولانا، حقوق الزوجین، ادارہ ترجمان القرآن لاہور، ص:۳۲

۹۴۔ دانش گاہ پنجاب لاہور، اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج:۲۱، ص:۸۸۸

۹۵۔ محمد عطیہ خمیس، فقہ النساء، ادارہ معارف اسلامی لاہور، ص:۲۴۷

۹۶۔ کاسانی، ابوبکر علاؤالدین، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، ج:۲، ص:۷۵۱

۹۷۔ ڈاکٹر محمد فاروق خان، اسلام کیا ہے، دانش سرا کراچی، ۲۰۰۰ء ص:۲۹۷

۹۸۔ النساء:۴

۹۹۔ مفتی محمد شفیع، معارف القرآن دارالعلوم کراچی، ج:۲، ص:۲۹۸

۱۰۰۔ ابن منظور افریقی، لسان العرب، دار بیروت للطباعۃ والنشر بیروت، ج:۱، ص:۵۶۶

۱۰۱۔ کاسانی، ابوبکر علاؤالدین، بدائع الصنائع، ج:۲، ص:۷۵۹

۱۰۲۔ ابن العربی، احکام القرآن، مطبعہ السعادہ، مصر، ج:۱، ص:۱۳۲

☆☆☆☆☆☆☆☆

تزکیہ کے اجتماعی تصور کا احیاء اور مولانا امین احسن اصلاحی

ڈاکٹر اختر حسین عزمی*

صوفیاء کے واسطے سے عوام الناس میں رائج تزکیہ نفس کا تصور انفرادی زندگی میں اپنی ذات کی اصلاح تک محدود ہے، جس کے مطابق حق و باطل کی کشمکش اور دنیاوی جھمیلوں سے الگ تھلگ بظاہر پاکیزہ زندگی گزارنے والے کو بہت بڑا عارف باللہ سمجھا جاتا ہے۔ تزکیہ نفس کا یہ تصور مولانا اصلاحی کے نزدیک نہ قرآن مجید ہی سے ملتا ہے اور نہ رسول اللہ ﷺ اور آپؐ کے صحابہؓ کی زندگی ہی اس پر شاہد ہے۔ وہاں جس تزکیہ کے مفہوم سے ہمیں آگاہی ہوتی ہے اس میں سب سے پہلے علم وعقیدہ کی اصلاح آتی ہے اور عمل میں اسوۂ رسول کی پیروی کا حکم دیا جاتا ہے۔ عبادات خالی رسوم کی بجائے گہری حکمت پر مبنی اور بعض مقاصدِ تربیت کی حامل نظر آتی ہیں۔ آدمی کی زندگی کی حیثیتوں کے لحاظ سے اس کو احکام دیئے جاتے ہیں۔ جن کی رو سے وہ اپنا تعلق ایک طرف خدا سے اور دوسری طرف انسان سے جوڑتا ہے۔ اس طرح تزکیہ نفس کوئی انفرادی اصلاح کا کام ہی نہیں رہ جاتا بلکہ اس میں انسان کی اجتماعی ذمہ داریوں کا تصور بھی شامل ہو جاتا ہے۔ سب سے بڑا عارف وہ شخص ہے جو دنیا کے جھمیلوں میں پڑ کر اپنی انفرادی اور اجتماعی ذمہ داریوں کو اس طرح ادا کرے جس طرح ادا کرنے کا حکم اللہ نے دیا اور جس کا کامل نمونہ حیاتِ طیبہ میں ہمیں نظر آتا ہے۔[1]

مولانا نے ''تزکیہ تعلقات'' کی بحث میں اجتماعی تزکیئے کے تصور کو وضاحت سے پیش کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

فرمایا ہوا گفتہ اللہ ہو جائے، اس کی پھونک دم مسیحا کا کام کرے اور اس کی ذات صوفیاء کے رائج کردہ تصور کے مطابق آدمی کے مرتبہ کی معراج یہ ہے کہ وہ بھی غیب دان ہو جائے اس کا ذات خداوندی ہی کا ایک پرتو بن جائے میں نے قرآن وسنت کی رو سے یہ بتایا ہے کہ آدمی کا خدا کا مطیع وفرمانبردار بندہ بننا اس کے تزکیہ کا منتہا ہے۔ اسی طرح زندگی کے مسائل سے فرار کوئی نیکی نہیں، بلکہ آدمی کا اپنے کنبہ میں والدین کا خدمت گزار اور وفادار ہونا، اعزہ واقارب کے ساتھ احسان

---

*اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، گورنمنٹ کالج پتوکی، قصور۔

کرنا، بیوی بچوں کا خیال رکھنا اور ان کی اچھی تربیت کرنا، اصلاح معاشرہ کرنا اور ریاست کا خیر خواہ ہونا تزکیہ نفس کے تقاضوں میں شامل ہے۔[2]

تصوف کا اجتماعیت گریز رویہ

اہل تصوف کی اکثریت نے معاملاتِ دنیا اور اجتماعی تعلقات کو تزکیہ نفس کا دشمن، مادے کو اپنی روح کا قفس، اپنی جبلی ضرورتوں اور خواہشوں کی تکمیل کو خدا پرستی کی راہ میں آفت خیال کیا۔ عشق الٰہی کے زیر اثر پروردہ تصور تزکیہ کا بنیادی تقاضا یہ ہے کہ انسان اس دنیا کو مایا کا جال سمجھ کر اس سے دور بھاگے۔ اجتماعیت کا تصور تک اس پر بار ہو۔ بستیوں سے اسے وحشت اور وحشت کدوں سے انس ہو۔ مادی رشتوں، مادی ضرورتوں، مادی خواہشوں کو سرتا سر شیطانی پھندے یقین کرے۔ ایک ایک دنیاوی نعمت اور لذت کو اپنے لیے حرام قرار دے لے۔ غذا بھی انتہائی مجبوری میں استعمال کرے۔ طوالت سے بچتے ہوئے ہم چند ائمہ تصوف کے اقوال پیش کرتے ہیں۔ شیخ ابراہیم بن ادھمؒ نے طواف کعبہ کے دوران ایک شخص سے کہا۔

لا تنال درجة الصالحين حتى تجوز ست عقبات، اوله تغلق باب النعمة وتفتح باب الشدة، والثانية تغلق باب العز وتفتح باب الذل والثالثة تغلق باب الراحة وتفتح باب الجهد والرابعه تغلق باب النوم وتفتح باب السهر والخامسة تغلق باب الغناء وتفتح باب الفقر والسادسة تغلق باب الامل وتفتح باب الاستعداد للموت. [3]

داؤد بن نصیر طائیؒ نے ایک شخص کو نصیحت کرتے ہوئے کہا: **صم عن الدنيا واجعل فطرك الموت وفر من الناس كفرارك من السبع** [4] حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں **من ارادان يسلم له دينه ويستريح بدنه فليعتزل الناس** ۔[5]

عائلی زندگی کو بھی تزکیہ نفس کا مخالف تصور کیا جاتا ہے۔ شیخ علی ہجویریؒ فرماتے ہیں کہ طریقت کی اساس تجرد پر رکھی گئی ہے۔[6] کیونکہ نکاح بہرحال دو خرابیوں سے خالی نہیں ایک غیر اللہ کا دل میں خیال پیدا ہونا اور دوسرے جسم کا لذتِ نفس میں مشغول ہونا۔[7] شیخ ابراہیم بن ادھمؒ فرماتے

ہیں کہ فقیر جب شادی کرے تو اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جو کشتی پر سوار ہو اور جب بچہ پیدا ہو تو سمجھ لو کہ وہ ڈوب گیا۔8 شیخ سہیل بن عبداللہ تستری کا قول ہے کہ ولی کا لوگوں کے ساتھ اختلاط ذلت ہے اور اس کی علیحدگی عزت ہے۔میں نے خدا کے ولیوں میں زیادہ تر منفرد (غیر شادی شدہ) لوگوں کو پایا۔9

اعتزال عن الناس کا رویہ بالآخر سالک کو نفس کشی کے راستے پر ڈال دیتا ہے۔ کیونکہ بقول ابو بکر طمسانی نفس، خدا اور بندہ کے درمیان سب سے بڑا حجاب ہے۔10 اس لیے اس سنگ گراں کو ہٹا کر ہی آگے کا سفر جاری رکھا جا سکتا ہے۔ نفس کشی کے لیے صوفیا نے فاقہ کشی، شب بیداری اور خاموشی کے جو طریقے اپنائے اس بارے میں صوفیا کے ہزاروں واقعات سے کتب تصوف بھری پڑی ہیں۔ اس تصور کے زیر اثر انسان نہ صرف اجتماعیت سے بلکہ اپنے نفس سے بھی عاری ہو جاتا ہے۔ سید اسماعیل شہید عشق الٰہی کے اثرات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

اسی محبت (حب عشقی) کے آثار میں سے ایک تفرد ہے یعنی یہ کہ انسان محبوب کے سوا باقی سارے علائق منقطع کر دیتا ہے۔ زندگی کے رنگا رنگ مشاغل اور بے شمار تعلقات کا سامنا کرتے ہوئے اس کا دل بڑی تنگی محسوس کرتا ہے اور طرح طرح کے معاملات کے تنظیم و انصرام سے مثلاً خانگی مسائل کے انتظام، معاشرتی و اجتماعی امور کی انجام دہی، امامتِ جماعت، اقامتِ عیدین، جمعہ ،حقوق اعزہ کی ادائیگی وغیرہ امور سے اسے سخت انقباض ہوتا ہے چنانچہ یہی وجہ ہے کہ نکاح سے، جو تمام علائق کی بنیاد ہے، اسے حد درجہ نفرت اور وحشت ہوتی ہے۔11

روحانی و مادی تقاضوں میں ہم آہنگی

تصوف کے ان اجتماعیت گریز نظریات نے امت مسلمہ میں جن منفی رویوں کو پروان چڑھایا، مولانا اصلاحی کو ان کا پورا ادراک تھا۔ چنانچہ انہوں نے، انسان کے اپنے نفس کے ساتھ تعلق سے لے کر خاندان سے تعلق تک، معاشرہ سے لے کر ریاست تک، اس کے تعلق کو پوری شرح و بسط کے ساتھ بیان کر کے قرآنی تزکیے کے اجتماعی پہلو کو اجاگر کیا ہے۔

مولانا نے تعلقات میں سب سے پہلے انسان کا اپنی ذات سے تعلق بیان کیا ہے۔ ان کے

نزدیک خالق نے انسان کے اندر جو قوتیں اور صلاحیتیں بھی ودیعت کی ہیں وہ سب بلا استثناء انسان کے مقصدِ وجود کے لیے لازمی اور ضروری ہیں۔کوئی چیز بھی ایسی نہیں جو کاٹ پھینکنے کے لائق ہو۔ان میں سے کوئی چیز کسی برائی کا سبب بنتی ہے تو انسان کے سُوئے استعمال سے بنتی ہے۔خرابی شے میں نہیں بلکہ انسان کے طریق استعمال میں ہوتی ہے۔مولانا کے مطابق جوگیوں اور راہبوں کو یہ غلط فہمی ہوئی کہ انہوں نے جسم اور جسمانی قوتوں کو بجائے خود روح کی ترقی میں مزاحم تصور کیا اور اسی وجہ سے انہوں نے ان کو ختم کرنے کے لیے جانگسل ریاضتیں ایجاد کیں۔حالانکہ اس طرح انہوں نے روحانی ترقی واصلاح کے مقصد کو فائدہ پہنچانے کے بجائے الٹا اس کو نہایت شدہ نقصان پہنچایا۔مولانا روحانی ترقی کے لیے جسم وروح دونوں کی تقویت کو ضروری قرار دیتے ہیں۔۱۲ چنانچہ فرماتے ہیں:-

روح انسانی جس طرح آسمان سے غذا حاصل کرتی ہے اسی طرح زمین سے بھی غذا حاصل کرتی ہے۔جسم کی قوتیں اگر صحیح طور پر نشوونما پائیں اور اپنے صحیح محل میں استعمال ہوں تو ان سے روح قوت حاصل کرتی ہے۔برعکس اس کے اگر جسم بیمار ہو تو جسم کی روح بھی مضمحل ہو جاتی ہے۔۱۳

مولانا اپنے موقف کی وضاحت اس مثال سے کرتے ہیں کہ جوگیوں اور راہبوں نے انسان کی جنسی خواہش کو نہایت مہلک ٹھہرایا ہے اور روحانی تطہیر کے لیے اس کے قلع قمع کو لازمی بتایا ہے۔حالانکہ جس شخص کے اندر قوتِ مردانگی نہ ہو،اس کے اندر فتوت اور شجاعت کا پایا جانا بھی ممکن نہیں۔حالانکہ یہ صفتیں ایک زندہ و بیدار روح کا اصلی جمال ہیں۔ان کے بغیر انسان میں بعض منفی قسم کی نیکیاں تو پرورش پاسکتی ہیں لیکن یہ ناممکن ہے کہ وہ کوئی ایسا کام کرسکے جس کے لیے فتوحات کا جوہر مطلوب ہوتا ہے۔۱۴

مولانا کی اس بات کی تائید اس حدیث رسولؐ سے بھی ہوتی ہے جس میں فرمایا گیا ہے

المومن القوی خیر واحب الی اللہ من المومن الضعیف احرص علی ما ینفعك واستعن باللہ ولا تعجز ۔۱۵ پھر روحانی پاکیزگی کے اعتبار سے جو مرتبہ صحابہ کرامؓ کا ہے وہ کسی دوسرے کا نہیں ہوسکتا۔ان کے اندر بھی کسی غالیانہ رجحان کا اظہار ہوا تو اس کی حوصلہ شکنی نبیؐ نے بھی فرمائی اور حضرات صحابہؓ نے آپس میں بھی۔بعض لوگوں نے زندگی کی بعض لذتوں کو دینداری کے

خلاف سمجھ کر ترک کر دینے کا اظہار کیا تو حضورؐ نے ان کو تنبیہ فرمائی چنانچہ حضرت عائشہؓ کی راویت ہے کہ صنع النبی ﷺ شیا تر خص و تنزہ عنه قول فبلغ ذالك النبی ﷺ فحمد الله ،ثم قال،ما بال اقوام یتنزهون عن الشیء اصنعه فوالله انی اعلمهم بالله و اشدهم له خشیه۔ ۱۶ حضرت انسؓ سے مروی اس حدیث میں یہ حقیقت مزید واضح ہوتی ہے:ان رسول الله کان یقول لا تشدّدوا علی انفسکم فیشدد علیکم فان قوماشددو اعلی انفسهم فشددالله علیهم فتلك بقایا هم فی الصوامع و الدیار ۔ ۱۷ جن لوگوں کے ذہنوں میں یہ خیال بسا ہوا تھا کہ نفس کو زیادہ سے زیادہ مشقت میں ڈالنا روحانی ترقی کے لیے ضروری ہے،ان کو نبیؐ نے یہ تعلیم دی کہ تمہارے نفس کا بھی تم پر حق ہے چنانچہ عبداللہ بن عمرو بن عاص کا بیان ہے کہ

قال لی رسول الله ﷺ یا عبدالله الم اخبر انك تصوم النهار وتقوم الیل ؟ فقلت بلی یا رسول الله قال فلا تفعل صم و افطر وقم ونم فان لجسدك علیك حقا،وان لعینك علیك حقا وان لزوجك علیك وان لزورك علیك حقاً. ۱۸

حضرت انسؓ سے روایت ذیل کی حدیث اجتماعی حقوق کی ادائیگی کے تصور کو واضح کرتی ہے۔

جاء ثلاثة رهط الی بیوت ازواج النبی ﷺ یساء لون عن عبادة النبی ﷺ فلما اخبروا کانهم تقالو ها فقالو وابن نحن من رسول الله ﷺ قد غفرله ما تقدم من ذنبه وماتاخر فقال احدهم اما انا فانی اصلی اللیل ابدا وقال اخر انااصوم الدهر ولا افطروقال اخرانا اعتزل النساء ولا اتزوج ابدا فجاء رسول الله ﷺ فقال انتم الذین قلتم کذا وکذا اما والله لا نی لا خشاکم الله واتقا کم له لکنی اصوم و افطرو اصلی وارقد اتزوج النساء فمن رغب عن سنتی فلیس منی. ۱۹

ان تعلیمات سے اسلام کا صحیح مزاج سامنے آتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بخشی ہوئی قوتوں اور نعمتوں میں سے کسی چیز کو روحانی ترقی کے لیے ختم کرنے کا مطالبہ نہیں کرتا بلکہ پورے اعتدال کے

ساتھ اس کو صحیح مصرف میں استعمال کرنے کی دعوت دیتا ہے۔

تربیت نفس میں اجتماعی ماحول کی اہمیت

مولانا اصلاحی نے قرآن وسنت کی روشنی میں نفس کے چار حقوق بیان کیے ہیں۔ نفس کا پہلا حق اس کی معرفت، دوسرا اس کی تربیت، تیسرا عزت نفس اور چوتھا احتساب نفس ہے۔ اپنی ذات سے تعلق کے بعد مولانا نے انسان کا تعلق خاندان ومعاشرہ اور ریاست سے بیان کیا ہے۔ مولانا علمائے عمرانیات کے اس خیال سے متفق ہیں کہ انسان اپنی فطری صلاحیتوں کے مطابق، پروان چڑھنے کے لیے انگور کی بیل کی طرح سہارے کا محتاج ہے۔ یہ سہارا اس کو خاندان اور معاشرے سے حاصل ہوتا ہے۔ یہ چیز اگر اس کو حاصل ہو جائے تو اس کی تمام مخفی صلاحیتیں بروئے کار آتی ہیں اگر کسی سبب سے یہ حاصل نہ ہو، تو یہ سب دب کر ختم ہو جاتی ہیں۔[۲۰] مولانا کے مطابق انسان کو اپنے خاندان وکنبہ، اپنی قوم اور معاشرہ اور اپنی ریاست کے ساتھ معاملہ کرنے میں ہر گام ان کی نگرانی کرنی پڑتی ہے اور اگر وہ ذرا غافل ہو جائے تو وہ کشتی خطرے میں پڑ جاتی جس پر وہ اپنے پورے خاندان بلکہ پوری قوم سمیت سوار ہوتا ہے۔[۲۱]

مولانا کے نزدیک اگر مرد بیوی بچوں سے محروم ہو تو وہ ایک خانہ بدوش بن کر رہ جاتا ہے۔ اگر عورت شوہر سے محروم ہو تو ایک اجڑے گھر کی مانند ہے اور جو چیز ایک کنبہ وخاندان سے حاصل ہو سکتی ہے، اس کا کسی مدرسہ یا خانقاہ سے حاصل ہونا ناممکن ہے۔[۲۲] مولانا حضرت یحییٰ کی زندگی سے تجرد کے لیے استدلال کرنے والوں کی دلیل کو بے بنیاد قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں۔

''ان بزرگ نبیوں نے یہ (مجردانہ) زندگی اپنی پسند سے، مثالی زندگی سمجھ کر اختیار نہیں کی بلکہ ان کے دور کے حالات ہی ایسے تھے کہ یہ زندگی ان کو اختیار کرنی پڑی۔ یہ دور وہ دور ہے جب بنی اسرائیل کی قسمت کا فیصلہ ہو رہا تھا۔ خود نبیوں کے ارشادات کے مطابق یروشلم کی جڑوں پر کلہاڑا رکھا ہوا تھا اور اس کو خطاب کر کے یہ پیش گوئی کی جا چکی تھی کہ یہاں کوئی اینٹ بھی دوسری اینٹ پر قائم رہنے نہیں دی جائے گی۔ ایسے پر آشوب حالات میں گھر در بنانے اور بیوی بچوں کی زندگی اختیار کرنے کا شوق صرف وہی پورا کر سکتے تھے جو بالکل بے فکرے اور عاقبت سے بے پرواہ ہوں۔ اس

دور میں یحییٰ کی زندگی اس طرح گزر رہی تھی کہ وہ یا تو جیل میں ہوتے یا بیت المقدس میں یہودی خونخواروں کے نرغے میں۔اس طرح سیدنا مسیح شب میں جبل زیتون پر دعا اور آہ وزاری میں مصروف رہتے اور دن میں فریسیوں اور فقیہوں کے حصار میں مصروف مناظرہ''۔۲۳

مولانا کے نزدیک گھر در بنانا اور بیوی بچوں والا بننا کوئی دنیا داری نہیں بلکہ خالق کائنات کے منشائے تخلیق،انسان کی مضمر صلاحیتوں کے ابراز اور اس کی تکمیل ذات کے لیے یہ فطرت کے بدیہی مطالبات ہیں۔جنہوں نے اس کی مخالفت کی انہوں نے فطرت سے جنگ کی۔۲۴ مرد ہر گھر میں قوام کی حیثیت سے بیوی بچوں کی کفالت و پرورش،تعلیم تربیت،رعیت کی نگرانی،انکے مستقبل کی فکر مندی کا ذمہ دار ہے۔۲۵

غربا و یتامی اور پڑوسیوں سے انسان کے تعلق کے ضمن میں مولانا بتاتے ہیں کہ ایک بندہ مومن ٹھونٹھ درخت کی مانند نہیں ہوتا جس میں نہ سایہ ہو اور نہ پھل،صرف بار زمین بن کر رہ گیا ہو۔اور نہ اس درخت کے مانند جو اپنے اردگرد زمین کی ساری صلاحیتیں ہضم کر کے موٹا تو ہو جائے لیکن نہ اس کا سایہ خوشگوار ہو،نہ اس کے پھل بلکہ اس کی بجائے مومن ایسا شجر طیب ہوتا ہے جس کی جڑیں پاتال میں اتری ہوئی اور شاخیں فضا میں پھیلی ہوئی ہوتی ہیں۔ایک کے خنک سایہ میں خلق پناہ لیتی ہے اور اس کے بعد پھلوں اور پھولوں سے لوگ بہرہ یاب اور شاد کام ہوتے ہیں قرآن میں اس کی تعریف اصلھا ثابت فی الارض وفرعھا فی السما۔(ابراہیم:۱۴:۲۴)کے الفاظ سے کی گئی ہے۔۲۶

ایک روز رسول اللہؐ نے صحابہ کرامؓ سے پوچھا کہ آج تم میں سے روزہ سے کون ہے؟ حضرت ابوبکرؓ نے کہا میں ہوں۔آپؐ نے فرمایا آج کس نے جنازے کی مشایعت کی؟ کس نے مسکین کو کھانا کھلایا؟ کس نے مریض کی عیادت کی؟ان سارے سوالوں کے جواب میں جو زبان گویا ہوئی وہ حضرت ابوبکرؓ کی تھی۔حضورؐ نے ارشاد فرمایا:جس نے ایک دن اتنی نیکیاں جمع کی ہوں وہ یقیناً جنت میں جائے گا۔۲۷ اس حدیث میں روزہ کے سوا تمام اعمال،جن کا حضورؐ نے ذکر کیا،ایسے اعمال ہیں جو انسانی اجتماعیت سے تعلق رکھتے ہیں۔حضرت ابوبکرؓ کی سیرت کے اس انتہائی مختصر تذکرے میں بھی زندگی کی ہمہ جہتی تکمیل کی ایک جھلک دیکھی جاسکتی ہے جو اسلام کے پیش نظر ہے اور

صحابہ کرامؓ اس کا عملی نمونہ تھے۔

آدمی ایک اثر پذیر ہستی ہے اور اس اثر پزیری کے فیض سے وہ اپنے بڑوں کے طور طریقے اور ان کے ادب وافکار اپناتا ہے اور پھر ان کو اپنے بعد والوں کی طرف منتقل کرنے والا بنتا ہے یہ نہ ہوتو آدمی ایک پتھر بن کر رہ جائے نہ پچھلوں سے کچھ لینے والا نہ اگلوں کو کچھ دینے والا۔ لیکن اس خوبی کا ایک خطرناک پہلو یہ ہے کہ اس کی بدولت وہ جس طرح دوسروں کے اچھے عادات اطوار کی چھاپ قبول کرلیتا ہے اس طرح ان کی بری روایات وآثار کے نقوش بھی قبول کرلیتا ہے۔ چنانچہ بچپن میں جبکہ ان کے اچھے عادات اطوار کی چھاپ قبول کرلیتا ہے اس طرح ان کی بری روایات وآثار کے نقوش بھی قبول کرلیتا ہے۔ چنانچہ بچپن میں جبکہ ان میں چھان پھٹک کی صلاحیت نہیں ہوتی ،وہ والدین کے اثرات کو قبول کرتا چلا جاتا ہے۔ جس کی طرف حضورﷺ نے ارشاد فرمایا: **مامن مولود الا یولد علی الفطرة فابواه یهودانه وینصر انه ویمجسانه** ۔[۲۸] مولانا کے نزدیک زندگی پر معاشرے کے ان گہرے اور دیرپا اثرات کے سبب سے ہر عاقل وبالغ پر اس سے متعلق چند نہایت اہم ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ ان میں سے پہلی ذمہ داری ہر ذی ہوش پر یہ ہے کہ وہ معاشرے کے بناؤ بگاڑ سے بے تعلق نہ رہے۔ بلکہ جو خرابی بھی اس کے اندر سر اٹھاتی نظر آئے ،اپنے امکان اور صلاحیت کی حد تک اس کو روکنے کی کوشش کرے۔ اگر کوئی شخص اسے پرایا جھگڑا سمجھ کر اپنا فرض ادا کرنے سے گریز کرے گا تو وہ یادرکھے کہ اس کی اس سہل انگاری کے نتیجے میں جو برائی جڑ پکڑے گی ،ہوسکتا ہے کہ وہ پورے معاشرہ کو اپنی لپیٹ میں لے لے اور ایک دن اس کا خمیازہ اس کو بھی اور آئندہ نسلوں کو بھی بھگتنا پڑے۔[۲۹]

مولانا کی اس بات کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جسے نعمان بن بشیر نے روایت کیا ہے کہ نبیؐ نے فرمایا کہ حدود الہیٰ کے معاملے میں سستی کرنے والے اور اس کے اندر پڑ جانے والے کی مثال ایسی ہے کہ کچھ لوگ کشتی کے اوپر والے حصے میں ہوں اور کچھ نچلے حصے میں بیٹھیں۔ نیچے والوں کو پانی کی ضرورت کے لیے اوپر جانا پڑتا ہے جس سے اوپر والے ناگواری محسوس کرتے ہیں۔ یہ دیکھ کر کوئی نیچے والا کشتی کے پیندے ہی میں سوراخ کرنے لگ جاتا ہے۔ اب اگر اوپر والے

اور سب اسے پکڑ لیں تو اسے بھی بچائیں گے اور اپنے آپ کو بھی اور اگر اس کو آزاد چھوڑ دیں تو اس کو بھی ہلاک کریں گے اور اپنے آپ کو بھی ہلاک کریں گے۔[30]

اس ذمہ داری کی ادائیگی ہر شخص پر اسکی صلاحیت اور استطاعت کے مطابق لازم ہے اور جو کسی درجہ میں بھی کام میں شریک نہ ہو تو اس کے لیے حضورؐ نے فرمایا ہے: **لیس وزراء ذالك من الایمان حبة خردل** ۔[31] یہ معاشرہ کے ہر فرد پر معاشرہ کا حق ہے جس کو ادا کرنا واجب ہے۔ یہ کوئی احسان نہیں ہے کہ جی چاہا کیا جی چاہا تو ٹال دیا۔ رہا یہ سوال کہ معاشرہ کے مصلحین کے لیے کب یہ جائز ہوتا ہے کہ وہ اس سے اعلان برات کر کے علیحدہ ہو جائیں؟ تو اس کا جواب مولانا کے نزدیک قرآن حکیم کی روشنی میں یہ ہے کہ جہاں تک رسولوں کا تعلق ہے وہ اللہ ہی کی طرف سے اس محاذ پر مامور ہوتے ہیں، اس وجہ سے ان کے لیے اس وقت تک ہٹنا جائز نہیں جب تک وہی ان کو اجازت نہ دے۔ اس کے لیے وہ حضرت یونس کے واقعہ سے استدلال کرتے ہیں۔ جبکہ دوسرے لوگ جو رسولوں کے طریقے پر کام کرتے ہوں ان کے لیے قرآن نے اصحاب کہف کے واقعہ میں رہنمائی دی ہے کہ ان کو اس وقت تک اپنی قوم کے اندر اپنے مشن میں لگے رہنا چاہیے تب تک اس کو جاری رکھنے کا امکان پائیں۔ جب وہ دیکھیں کے دشمنوں نے ان کے لیے تمام راستے بند کر دیے ہیں اور اب اگر ایک قدم بھی اس کی مرضی کے خلاف رکھا گیا تو ان کی دعوت اور زندگی دونوں خطرے سے دوچار ہو جائیں گے، تب ان کے لیے جائز ہوتا ہے کہ جدھر بھی ان کو راہ نظر آئے ادھر کے لیے اللہ کے بھروسے پر نکل کھڑے ہوں۔ قرآن مجید میں یہ تصریح موجود ہے کہ اصحاب کہف نے غار میں اس وقت پناہ لی جب ان کی قوم نے ان کو آخری دھمکی دیدی ہے کہ اب یا تو اپنے باپ دادا کے دین پر واپس آجاو ورنہ ہم تمہیں سنگسار کر دیں گے۔[32]

معاشرتی اصلاح کی ذمہ داری کی ادائیگی میں جب اس حد تک جان لڑانا ضروری ہے تو اس بات کی گنجائش کیسے نکل سکتی ہے کہ کچھ لوگ ذاتی تزکیے کے لیے جنگلوں کی راہ لیں اور معاشرتی ذمہ داریوں کے بوجھ سے خود ہی سبکدوش ہو کر خانقاہ میں الگ تھلگ ہو کر چلہ کشی شروع کر دیں۔

تزکیہ نفس کے لیے ریاستی کردار

انسان کو جو برکتیں معاشرے میں حاصل ہوتی ہیں ان میں سے ایک بہت بڑی برکت یہ ہے کہ معاشرہ اپنی اجتماعی تنظیم کی قوت اور اسکے زور واثر سے اس کو باہمی تعدیوں سے بھی محفوظ رکھتا ہے اور بیرونی خطرات سے بھی۔ یہ تحفظ اس کو حاصل نہ تو وہ ہر وقت اندرونی خطروں سے گھرا رہے گا جس سے اس کی معاش اور تعمیر وتمدن کی راہنما اعلیٰ صلاحتیں دب کر ختم ہو جائیں گی۔ انسان اپنی اس فطری ضرورت کے تقاضوں کی وجہ سے اجتماعیت پسند حیوان ہونے کے ساتھ ایک سیاسی مخلوق کی زندگی کا بھی پورا التزام رکھتا ہے اس کی تاریخ کا کوئی دور بھی ایسا نظر نہیں آتا ہے جب وہ حکومت سے بالکل بے نیاز رہا ہو اس نے اپنی تعمیر وترقی اور قیام وبقا کے لیے کسی نہ کسی سیاسی نظام کو ضرور اختیار کیا ہے۔

ایک مسلمان کا ریاست وحکومت کے ساتھ تعلق کیسا ہو؟ تزکیہ نفس کی بحث میں مولانا نے فرد کے اس تعلق کی بھی صراحت کی ہے۔ مولانا نے حکومت کی چار اقسام بیان کر کے ان کے ساتھ تعلق کے الگ الگ احکام بیان کئے ہیں۔ ایک شکل تو یہ ہو سکتی ہے کہ غیر مسلموں کی سیکولر حکومت ہو لیکن پرسنل لا کی حد تک مسلمانوں کو دعوت وتبلیغ کی اجازت ہو تو مولانا کے نزدیک بدرجہ مجبوری اسے گوارا کیا جائے گا۔ ذاتی عقیدہ ومذہب میں اگر حکومت مداخلت نہ کرے تو ایک مسلمان ایسی غیر مسلم حکومت کا وفادار شہری رہ سکتا ہے اس کی وفاداری کی مثال ایسی ہی ہوگی جیسے غیر مسلم ماں باپ کا وہ دنیاوی معاملات کی حد تک وفادار رہتا ہے۔ البتہ اپنے دین کے معاملات میں بھی ان کی مداخلت گوارا نہیں کرے گا۔ ۳۳

دوسری شکل یہ ہے کہ حکومت غیر مسلموں یا نام ونہاد مسلمانوں کی ہو لیکن اس میں ایک خاص غیر اسلامی نظریہ حیات کے سوا کسی اور نظریہ یا عقیدہ کی دعوت واشاعت ممنوع ہو اور اس کے مرتکب کو مستحق سزا سمجھا جاتا ہو، اس میں مسلمانوں کے لیے دو ہی راہیں ہیں، یا تو راہ ارتداد اختیار کریں یا جہاد وہجرت۔ اگر کسی مسلمان کے سامنے ایمان اور زندگی میں سے کسی ایک ہی چیز کے اختیار کرنے کا راستہ باقی نہ رہ جائے تو وہ زندگی کو قربان کر کے ایمان کو بچائے۔ اس لیے کہ زندگی کتنی ہی

عزیز سہی لیکن ایمان سے زیادہ عزیز نہیں ہو سکتی۔ رہا ہجرت و جہاد کا معاملہ تو اس کا تعلق حالات اور مواقع سے ہے اس پر غور کرنا، رہنمائی دینا اور اس کے اسباب و وسائل فراہم کرنا آزاد مسلم حکومتوں کا کام ہے۔۳۴

تیسری شکل یہ ہے کہ حکومت مسلمانوں کی ہو لیکن آئین و قانون، جاہلیت اور اسلام دونوں کا ملغوبہ ہو۔ زبانوں پر نعرہ اسلام ہو لیکن عمل میں ایک قدم اسلام کی طرف اٹھتا ہو تو دوسرا قدم جاہلیت کی طرف بھی بڑھتا ہو، اس کی مثال مولانا کے نزدیک پاکستان ہے، ان کے نزدیک ایسی ریاست میں کرنے کا اصلی کام یہ ہے کہ معاشرہ کی فکری ناہمواریوں کو دور کرنے کے لیے اس نصب العین کو سامنے رکھ کر فہم اسلام کی ایک ایسی عظیم دعوتی جدوجہد کی جائے کہ اس کے اندر ایک امتِ مسلمہ بننے کا شعور پیدا ہو۔۳۵

چوتھی شکل ظاہر و باطن اور قانون و عملاً کتاب و سنت پر مبنی حکومت کی ہے۔ یہ اگر حاصل ہو تو اس کی خدمت و حفاظت کے لیے اپنا سب کچھ قربان کر دینا، مسلمان کے لیے سعادت دارین بن جاتا ہے۔ اگر ایسی ریاست موجود نہیں ہے تو اس کے حصول کے لیے جدوجہد کی راہ اب بھی کھلی ہوئی ہے۔۳۶

تزکیہ نفوس کے لیے جس روحانی و پاکیزہ ماحول کی ضرورت ہے اس کے لیے سازگاری ایک صحیح اسلامی حکومت ہی پیدا کر سکتی ہے جبکہ اہل تصوف کے ہاں ریاست و حکومت کے معاملات میں دلچسپی کو ایک صوفی کے لیے پسندیدہ خیال نہیں کیا جاتا۔ صوفیاء نے بعض ایسے شرعی احکام کو معطل کر ڈالا جو شرع کی اساس ہیں اور جن سے مسلمانوں کی قوت و عزت اور ان کی سیادت وابستہ ہے اور جن پر ملی نشوونما کا مدار ہے۔

اس بحث سے ثابت ہوا کہ مولانا اصلاحی نے تزکیہ نفس کے تصور کو وسعت دیکر اس کو اجتماعیت سے اس طرح مربوط کر دیا ہے کہ انسان اپنے تزکیہ کے لیے جنگلوں اور خانقاہوں کا راستہ اختیار کرنے کی بجائے ان کی بدرجہ احسان ادائیگی میں پاکیزگی قلوب کا سامان تلاش کرے۔ حتی کہ عبادات جو تزکیہ کا سب سے اہم ذریعہ ہوتی ہیں اور اپنی روح کے اعتبار سے انفرادیت اور اخفاء کی

متقاضی ہوتی ہیں، اسلام نے انہیں بھی اجتماعیت سے مربوط رہنے کا ذریعہ بنادیا ہے۔تزکیہ نفس کے اس اجتماعی تصور کے مطابق تزکیہ نفوس کی تکمیل اس وقت تک ناممکن ہے جب تک معاشرہ اور ریاست کا ماحول اس کے لیے سازگاری نہ کرے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

حوالہ جات

۱۔ امین احسن اصلاحی، تزکیہ نفس، ملک برادرز تاجران کتب، لائل پور، س۔ن، ۲/ ۹۔۱۰

۲۔ امین احسن اصلاحی، تزکیہ نفس، ملک برادرز تاجران کتب، لائل پور، س۔ن، ۱/ ۱۰

۳۔ طبقات الصوفیۃ، ص: ۳۸، ابی عبدالرحمٰن السلمی، دارالکتب العربی، مصر، ۱۹۵۳ء

۴۔ الرسالہ القشیر یہ، ابی القاسم عبدالکریم بن ہوازن القشیر ی، مکتبہ مصطفٰی البابی، مصر، ۱۹۴۰ء ص: ۱۴،

۵۔ ایضاً، ص: ۵۵

۶۔ شیخ علی ہجویری، کشف المحجوب،، مرکز تحقیقات فارسی، اسلام آباد، ۱۹۷۸ء ص: ۳۱۸

۷۔ ایضاً، ص: ۳۱۶

۸۔ شیخ ابونصر طوسی: اللمع (اردو)، ص: ۳۲۱، ترجمہ سید اسرار بخاری، اسلامک بک فاؤنڈیشن لاہور، س۔ن

۹۔ شیخ ابو طالب مکی: قوت القلوب، المطبعۃ الیمیمیہ، مصر ﷺ ۱۳ ، ۱/ ۳۲۱

۱۰۔ الرسالہ القشر یہ، ص: ۷۸

۱۱۔ صراط مستقیم (فارسی)، ص: ۱۱، سید احمد شہید، مطبع مجتبائی، دھلی، س۔ن

۱۲۔ تزکیہ نفس، ۲/ ۱۲۵، ۱۲۶

۱۳۔ ایضاً، ۲/ ۱۲۶

۱۴۔ محولہ بالہ

۱۵۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الزھد، باب التوکل والیقین ،۲/ ۱۳۹۵

۱۶۔ صحیح بخاری، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، باب مایکرہ من التعمق و التنازع فی العلم و الغلو فی الدین ،۳/ ۸۱۷

۱۷۔ سنن ابی داوٗد، کتاب الادب، باب فی الحسد ،۲/ ۳۱۶

۱۸۔ صحیح بخاری، کتاب الصوم، باب حق الجسم فی الصوم ،۱/ ۷۰۰

۱۹۔ صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب ترغیب فی النکاح ،۳/ ۶۶

۲۰۔ تزکیہ نفس ،۲/ ۱۴۰

۲۱۔ ایضاً ،۲/ ۱۴۳

۲۲۔ ایضاً ،۲/ ۱۵۶

۲۳۔ ایضاً ،۲/ ۱۵۶۔۱۵۷

۲۴۔ ایضاً ،۲/ ۱۵۷۔۱۵۸

۲۵۔ ایضاً ،۲/ ۱۶۰

۲۶۔ تزکیہ نفس ،۲/ ۱۷۳

۲۷۔ صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابہ، باب فضائل ابی بکر، ص: ۶/ ۸۵

۲۸۔ ایضاً، کتاب القدر، باب حکم الاطفال ،۶/ ۲۶۳

۲۹۔ تزکیہ نفس ،۲/ ۱۸۴

۳۰۔ صحیح بخاری، کتاب الشرکۃ، باب ھل یقرع فی القسمۃ، ص: ۱/ ۸۶۰

۳۱۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب کون النھی عن المنکر من الایمان ،۱/ ۱۴۵

۳۲۔ تزکیہ نفس ،۲/ ۱۸۹۔۱۹۰

۳۳۔ ایضاً ،۲/ ۲۰۶

۳۴۔ ایضاً ،۲/ ۲۰۹۔۲۱۰

۳۵۔ ایضاً ،۲/ ۲۱۴۔۲۱۵

۳۶۔ ایضاً ،۲/ ۲۱۷